جناب علی محسن صدیقی

امیر خسرو کی تاریخی مثنویاں

امیر خسرو کو دنیا کی ادبی تاریخ میں جیسی شہرت اور قبولیت عامہ حاصل ہوئی اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ شاید ہی ایسا کوئی خوش قسمت اہل علم یا شاعر ہو جسے امیر خسرو جیسی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہو۔ یہ امیر خسرو کی شخصیت، ان کی ذکاوت اور مختلف النوع ذہانت تھی جس نے انھیں تمام برصغیر پاک و ہند اور ایران و ترکستان میں مشہور کر دیا۔ صدیاں گزر چکیں جب "طوطیِ ہند" کا آخری نغمہ فضاؤں میں گونجا مگر آج بھی اہل ذوق اس کے کیف سے محظوظ اور اس کے سحر سے مسحور ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نغمہ کسی نے ابھی چھیڑا ہے۔ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے کتنے نغموں کو موت کی نیند سلا دیا مگر خسرو کا چھیڑا ہوا نغمہ آج بھی زندہ ہے اور ان شاء اللہ کل بھی زندہ رہے گا۔ امیر خسرو عالم، صوفی، فلسفی، شاعر، موسیقار، سپاہی اور سیاست داں تھے۔ دنیا میں کتنے لوگ ایسے گزرے ہیں جن کی ذات میں ایسی مختلف النوع صفات اکٹھی ہوئی ہوں گی؟ امیر خسرو جیسا جامع الصفات انسان نہ صرف اسلامی ہند کے فلک علم و ہنر کا مہر تاباں ہے بلکہ دنیا کے علمی افق پر ان جیسے نابغۂ عصر کم ہی ابھرے ہوں گے۔ بلاشبہ برصغیر اپنی تاریخ میں خسرو کا ثانی نہ پیدا کر سکا۔

ابوالحسن یمین الدین خسرو کے والد امیر سیف الدین محمود ترک لاچین تھے۔ وہ اپنے آبائی وطن کش سے دہلی آئے اور سلطان شمس الدین التمش کے دربار سے وابستہ ہو گئے[1]۔ ان کی والدہ ایک نومسلم راجپوت سردار امیر عماد الملک راوت عرض کی صاحب زادی تھیں۔ وہ ۶۵۱ھ مطابق ۱۲۵۳ء[2] میں قصبۂ مومن پور میں، جو پٹیالی کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ یو۔پی (ہند) کے

---

[1] امیر خسرو، دیباچہ غرۃ الکمال مطبعہ قیصری دہلی، ص ۶۸

[2] وحید مرزا - لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو - مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۵ء - ص ۱۷

ضلع ایٹہ میں واقع ہے، پیدا ہوئے۔[۵۳] وہ ابھی سات ہی سال کے تھے کہ ان کے والد نے انتقال کیا مگر ان کی خوش قسمتی سے ان کے نانا عماد الملک حیات تھے اور انھیں نے ان کی پرورش کی[۵۴]۔ تعلیم کی غرض سے امیر کو مکتب بھیجا گیا جہاں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مگر ان کا رجحانِ طبع حصولِ علم سے زیادہ شعر و شاعری کی جانب تھا۔ بہر کیف، انھوں نے ترکی، جو اُن کے باپ اور امرائے دہلی کی زبان تھی، ہندوی جو مادری زبان تھی، فارسی جو علمی و سرکاری زبان تھی اور عربی جو علمی و مذہبی زبان تھی، سیکھی۔ اگرچہ انھیں عربی میں مہارت کا دعویٰ نہ تھا مگر پھر بھی عربی سے ان کی واقفیت کافی تھی۔ وہ کہتے ہیں ؎

ترک ہندستانیم من ہندوی گویم جواب   شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن[۵۵]

امیر خسرو بیس سال کے تھے کہ ان کے نانا نے وفات پائی۔ اب انھیں معاش کی فکر ہوئی اور سلطان غیاث الدین بلبن کے برادرزادہ اور حاجب ملک علاء الدین کشلی خاں عرف ملک چھجو کی ملازمت میں ۱۲۷۱ھ میں داخل ہوئے۔ وہ اسی سال حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے۔[۵۶] دو سال تک کشلی خاں کی ملازمت میں رہے۔[۵۷] بعد ازاں سلطان کے چھوٹے بیٹے شاہزادہ محمود بغرا خاں کی ملازمت اختیار کی۔ اس زمانہ میں بغرا خاں سامانہ کا گورنر تھا۔ خسرو نے کشلی خاں کے بعد شاہزادہ کی نوکری کی اور اس کے ساتھ سامانہ چلے گئے۔ جب طغرل نے کہ لکھنوتی کا گورنر تھا بغاوت کی اور بغاوت نے شدت اختیار کی تو سلطان بہ نفس نفیس فوج لے کر بنگالہ گیا۔ بغرا خاں بھی باپ کے ساتھ تھا۔ خسرو بغرا خاں کے مصاحب کی حیثیت سے لشکر شاہی کے ساتھ تھے۔ بلبن نے بغاوت فرو کرنے کے بعد بغرا خاں کو بنگالہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے خسرو کو بنگال میں روک لینا چاہا مگر یہ راضی نہ ہوئے اور قریباً ۱۲۸۰ھ میں

---

[۵۳] پٹیالی کا قصبہ دریائے گنگا کے کنارے واقع تھا اور یہاں قلعہ تھا (امیر خسرو۔ دیباچۂ غرۃ الکمال۔ ص ۶۳)

[۵۴] دیباچۂ غرۃ الکمال۔ ص ۶۹ و ۷۰

[۵۵] ایضاً ص ۶۶

[۵۶] وحید مرزا۔ لائف اینڈ ورکس امیر خسرو، ص ۱۱۲

[۵۷] دیباچۂ غرۃ الکمال، ص ۷۰

دہلی واپس آگئے۔[۵۸] بعد ازاں انھوں نے دہلی میں خان شہید کی ملازمت کی جو انھیں اپنے ساتھ ملتان لے گئے یہیں ان کے ساتھ مشہور شاعر حسن سجزی بھی تھے۔[۵۹] جس زمانہ میں امیر خسرو ملتان میں خان شہید کے دامن دولت سے وابستہ تھے، انھیں اور ان کے مربی کو ایک بڑے دردناک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ۶۸۴ھ میں منگولوں سے ایک جنگ میں شاہزادہ شہید ہوگیا اور امیر خسرو گرفتار ہوگئے۔ مگر امیر کو جلد ہی اس قید سے رہائی مل گئی اور وہ ملتان ہوتے ہوئے دہلی واپس آئے۔ انھوں نے یہاں بلبن کے دربار میں خان شہید کی شہادت پر اپنا مشہور مرثیہ پڑھا۔ مرثیہ کیا تھا سوز و گداز کا مرقع تھا۔ تمام دربار ماتم کدہ بن گیا اور بوڑھا سلطان اپنے دبدبہ و سطوت کے باوجود جذبات پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ خان شہید کے ساتھ جو لوگ شہید ہوئے تھے ان میں سے بیشتر کے اعزہ دہلی میں تھے۔ چنانچہ امیر خسرو کا مرثیہ ہر گھر اور ہر خاندان میں پہنچ گیا اور ہر محفل میں اسی کا ذکر تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ امیر خسرو کو دربار امراء سے باہر عوام کی بارگاہ میں بھی بار حاصل ہوا۔ مرثیہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا از آسماں آمد پدید — آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید
راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را — رخنۂ کا مسال در ہندوستاں آمد پدید
بسکہ آب چشم خلقے شد رواں در چار سو — پنج آبے دیگر اندر مولتاں آمد پدید

سلطان بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا معز الدین کیقباد ۶۸۵ھ میں تخت دہلی کا وارث ہوا۔ اس وقت امیر خسرو کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگ چکے تھے۔ مگر ملک نظام الدین سے جو اب امور مملکت میں سیاہ و سفید کا مالک تھا ان کے تعلقات خوش گوار نہ تھے۔ اس لیے انھوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ دربار شاہی سے کنارہ کش رہیں مگر جلد ہی نئے سلطان نے انھیں طلب کیا اور وہ دربار شاہی سے وابستہ ہوگئے۔[۶۰] یہیں امیر خسرو نے رمضان ۶۸۸ھ میں اپنی پہلی تاریخی

---

۵۸ دیباچہ غرۃ الکمال، ص ۷۱ و ۷۲

۵۹ ایضاً ص ۷۳

۶۰ ایضاً ص ۷۴

مثنوی 'قران السعدین' کیقباد کی فرمائش پر لکھی۔ کیقباد کے بعد تخت دہلی پر خلجی متمکن ہوئے۔ امیر خسرو جلال الدین فیروز خلجی کے دربار سے منسلک ہو گئے اور ۶۹۰ھ میں انھوں نے اپنی مثنوی 'مفتاح الفتوح' جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے لیے لکھی جس میں جلال الدین کی فتوحات کا تذکرہ ہے[11]۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ خسرو اس کے دربار سے بھی وابستہ رہے اور یہاں انھوں نے اپنی مشہور نثری تصنیف 'خزائن الفتوح' تحریر کی جو عہد علائی کی مختصر مگر نہایت مستند تاریخ ہے اور ۷۱۱ھ میں مکمل ہوئی۔ علاء الدین کی وفات پر اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی سلطان ہوا۔ خسرو اس کے دربار سے بھی وابستہ رہے اور ۷۱۸ھ میں اس کے حکم سے 'نُہ سپہر' تصنیف کی جس میں مبارک شاہ کے ابتدائی عہد کے واقعات ہیں۔ علاء الدین کے آخری عہد میں ولی عہد سلطنت شاہزادہ خضر خاں کی فرمائش پر امیر خسرو نے ۷۱۵ھ میں 'عشقیہ' نامی ایک اور تاریخی مثنوی تحریر کی جس میں شاہزادے اور اس کی چہیتی رانی 'دول دیوی' کی داستان محبت کا بیان ہے اور اسی مناسبت سے اسے 'مثنوی خضر خاں و دول رانی' بھی کہتے ہیں۔ خلجیوں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں امیر خسرو نے 'عشقیہ' میں (۳۱۹) اشعار کا اضافہ کر کے بعد کے واقعات بھی شامل کر دیے۔ خاندان خلجی کے زوال کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا۔ امیر خسرو اس کے دربار سے بھی وابستہ رہے۔ ۷۲۴ھ میں اودھ اور بنگالے کے سفر میں امیر خسرو بھی بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ جب وہ اودھ میں تھے تو انھیں اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیا کی علالت اور بعد ازاں انتقال کی خبر ملی۔ وہ اودھ سے بحالت اضطراب دہلی آئے[12]۔ ان کا دوہا ان کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے ؎

گوری سوئے سیج پر، مکھ پر ڈارے کیس　　چل خسرو گھر اپنے، رین بھئی سب دیس[13]

اسی زمانہ میں انھوں نے آخری تاریخی مثنوی 'تغلق نامہ' ۷۲۵ھ میں مکمل کی۔ جس میں انھوں نے

---

[11] امیر خسرو۔ دیوان غرۃ الکمال۔ مطبع قیصری دہلی۔ (مثنوی مفتاح الفتوح)

[12] لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو۔ ص ۱۳۶

[13] خسرو کی ہندی کویتا۔ مطبوعہ بنارس، ص ۴

تغلق کے تخت نشین ہونے، مبارک شاہ کے قتل ہونے اور خسرو خاں کی شکست کے واقعات تحریر کیے ہیں۔

اس طور سے امیر خسرو امراء کے علاوہ سلطان کیقباد سے لے کر سلطان محمد بن تغلق تک چھ سلاطین کے دربار سے منسلک رہے۔ انھوں نے ان کی مدح میں قصائد لکھے، ان کی فتوحات کو اپنی مثنویوں سے زندۂ جاوید بنا دیا اور نثر میں ان کے کارناموں کو بیان کیا۔ امیر خسرو نے محمد شاہ بن تغلق شاہ کے عہد میں ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو وفات پائی اور اپنے پیر کے قریب غیاث پورہ (دہلی) میں سپرد خاک کیے گئے۔[۱۴]

امیر خسرو کی تصانیف کی تعداد اور ان کے حجم سے متعلق کافی اختلاف رائے ہے۔ مگر ان کی تصانیف کی تعداد جو بھی ہو یہ امر مسلّم ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف دست برد زمانہ سے ضائع ہو گئیں۔ بہرکیف امیر خسرو کی جو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں ذیل میں ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے:

(۱) نثری تصانیف

۱۔ تاریخ علائی یا خزائن الفتوح۔ اس کتاب میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کی فتوحات اور وقائع کا بیان ہے اور ۶۹۵ھ تا ۷۱۱ھ کے واقعات درج ہیں۔ عہد علائی کی معاصر تاریخ ہونے کی وجہ سے خزائن الفتوح کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اس اہمیت کے پیش نظر الیٹ نے اپنی تاریخ ہند کے حصہ سوم میں اس کا خلاصہ دیا۔ بعد میں پروفیسر محمد حبیب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ان کے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ فارسی سے ترجمہ کرتے وقت جو تسامحات پروفیسر محمد حبیب صاحب سے ہوئے ان پر پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی نے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں تحقیقی بحث کی۔

۲۔ افضل الفوائد۔ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس میں شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔ شیخ کے ملفوظات خسرو کے رفیق کار، برادر طریقت اور

۱۴۔ لائف اینڈ ورکس امیر خسرو ص ۱۴۲ (فٹ نوٹ)

محرم راز امیر حسن سجزی نے بھی مدوّن کیے ہیں جو فوائد الفواد کے نام سے چھپ گئے ہیں۔ ان دونوں ملفوظات میں صحت انتساب کے اعتبار سے بعد المشرقین ہے۔ امیر حسن سجزی کی کتاب مستند اور شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات میں معتبر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس امیر خسرو کی کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔[۱۵] افضل الفوائد دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ خسرو نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں ۷۱۹ھ میں پیش کیا۔ دوسرا حصہ ۷۱۹ھ کے بعد تحریر کیا گیا جو ظاہر ہے کہ نامکمل رہ گیا۔

۳۔ اعجاز خسروی۔ امیر خسرو کی تصانیف میں سب سے ضخیم کتاب یہی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ امیر خسرو پہلے شخص ہیں جس نے نثر نویسی اور انشاپردازی کے اصول و قواعد مرتب کیے اور سینکڑوں صنائع لفظی و معنوی اختراع کیں۔ یہ کتاب ۷۱۹ھ[۱۶] میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اگرچہ آج صنائع بدائع کا بازار سرد پڑ گیا ہے اور یہ باتیں از کار رفتہ سمجھی جاتی ہیں مگر اس کتاب سے امیر خسرو کی طباعی اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ان کی دقتِ معلومات اور علمیت و نیز عربی فن بدیع سے کماحقہ واقفیت کا بھی حال معلوم ہوتا ہے۔

(ب) دواوین

امیر خسرو کے دواوین کی تعداد پانچ ہے۔ ان کو انھوں نے اپنی عمر کی منازل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔

۱۔ تحفۃ الصغر میں اوائل عمر کا کلام ہے۔ یہ ان کا پہلا دیوان ہے اور اس میں ۱۶ سال سے ۱۹ سال کی عمر کے اشعار ہیں۔ یہ دیوان ۶۷۱ھ میں مکمل ہوا۔[۱۷]

۲۔ وسط الحیات میں اوائل عمر کے بعد کا کلام ہے۔ اس میں بیس سال سے چونتیس سال کی عمر تک کا کلام ہے۔[۱۸]

---

۱۵ لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو۔ ص ۲۲۵-۲۲۷

۱۶ ایضاً، ص ۲۱۶-۲۲۱

۱۷ شبلی نعمانی۔ شعر العجم ج ۲ ص ۱۰۶۔ مطبعہ تاج بک ڈپو لاہور۔

۱۸ ایضاً ص ۱۰۶۔

۳- غرۃ الکمال امیر خسرو کا تیسرا دیوان ہے۔ اس میں چونتیس سال سے چوالیس سال کی عمر تک کا کلام ہے۔ امیر کی شاعری کا طغرائے امتیاز یہی دیوان ہے۔ اس میں ان کی مشہور مثنوی مفتاح الفتوح بھی شامل ہے۔ اس کا دیباچہ نہایت اہم ہے جس میں خسرو نے اپنے حالاتِ زندگی قلم بند کیے ہیں۔[۵۹]

۴- بقیہ نقیہ- یہ دیوان امیر خسرو کے بڑھاپے کے اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں علاء الدین خلجی کا مرثیہ بھی موجود ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ کم از کم ۷۱۶ھ کا کلام اس میں موجود ہے جب کہ امیر کی عمر ۶۴ سال کے قریب تھی۔[۶۰]

۵- نہایۃ الکمال امیر خسرو کا آخری دیوان ہے۔ اس میں ایک قصیدہ قطب الدین مبارک شاہ کے مرثیہ میں بھی ہے جو ۷۲۰ھ میں مارا گیا۔ ایک دوسرا قصیدہ ۷۲۵ھ کا بھی ہے جو امیر خسرو کا سالِ وفات بھی ہے اور اس طور سے یہ دیوان خسرو کے کمال کے ساتھ ساتھ حیاتِ مادی کی بھی نہایت و انتہا ہے۔[۶۱]

(ج) عشقیہ مثنویاں (خمسہ)

امیر خسرو نے نظامی گنجوی کی اتباع میں پانچ عشقیہ مثنویاں تحریر کیں۔ ان میں سے ہر مثنوی نظامی کی ایک مثنوی کے جواب میں ہے۔ پورا خمسہ دو سال کی مدت میں مکمل ہوا۔ اس میں ۱۸ ہزار اشعار ہیں اور سلطانِ وقت علاء الدین کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔

۱- مطلع الانوار نظامی کی مخزن اسرار کے جواب میں ۶۹۸ھ میں لکھی گئی مگر شاعرانہ محاسن کے لحاظ سے یہ مثنوی نظامی کی مثنوی سے فروتر ہے اس کے اشعار کی تعداد ۳۲۱۰ ہے۔

۲- شیریں خسرو نظامی کی اسی نام کی مثنوی کے جواب میں ۶۹۸ھ میں تحریر کی گئی۔ نظامی کی شیریں خسرو فارسی کی بزمیہ شاعری میں بے نظیر ہے مگر امیر خسرو کی کوشش بھی رائگاں نہیں ہے۔ اس میں ۴۱۲۴ شعر ہیں۔

---

۵۹ لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو، ص ۱۵۵

۶۰ شعر العجم، ج ۲، ص ۱۰۶

۶۱ ایضاً

۳۔ آئینہ ہائے سکندری نظامی کی مثنوی سکندر نامہ کے جواب میں ہے۔ ۶۹۹ھ میں مکمل ہوئی شعری خوبیوں میں سکندرنامۂ نظامی سے کم تر ہے۔ یہ ۴۴۵۰ شعروں پر مشتمل ہے۔

۴۔ ہشت بہشت نظامی کی ہفت پیکر کا جواب ہے اور ۷۰۱ھ میں تمام ہوئی۔ اس میں پختگی کے ساتھ ساتھ واقعہ نگاری کا کمال نظر آتا ہے اور یہ مثنوی ہفت پیکر کا بہترین جواب ہے۔ تعداد اشعار ۳۳۸۲ ہے۔

۵۔ مجنون و لیلیٰ نظامی کی اسی نام کی مثنوی کے جواب میں ۶۹۹ھ میں لکھی گئی۔ خسرو کی یہ مثنوی ان کے ذوق خاص کی آئینہ دار ہے اور اس میں وہ اپنے پیش رو سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ اس میں ۲۶۶۰ شعر ہیں۔

امیر خسرو کے خمسے اگرچہ بحیثیت مجموعی ان کی نادرہ کاری اور پختگی کی عمدہ مثالیں ہیں مگر نظامی کی استادی بے مثال اور لاجواب ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جن شعراء نے خمسۂ نظامی کے جواب لکھے ہیں ان میں خسرو سے زیادہ کوئی اور کامیاب نہیں ہوا اور امیر خسرو کے لیے یہ فخر کیا کم ہے کہ نظامی نے اپنی ساری زندگی تج دی تو خمسہ لکھا، خسرو نے اپنی دیگر مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ ۶۹۸ھ تا ۷۰۱ھ دو سال کے عرصہ میں قریباً ۱۸ ہزار اشعار لکھ کر رکھ دیے اور اپنی نادر الکلامی کا سکہ بٹھا دیا۔[۳۲]

(د) تاریخی مثنویاں

امیر خسرو کی تاریخی مثنویاں پانچ ہیں (۱) قران السعدین (۲) مفتاح الفتوح (۳) عشیقہ (۴) نہ سپہر، اور (۵) تغلق نامہ۔ ان مثنویوں میں سے دوسری مثنوی مفتاح الفتوح ان کے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کے ساتھ چھپی ہے۔ مگر اہمیت اور اشعار کی تعداد کے اعتبار سے اس کی جو حیثیت ہے اس کے پیش نظر اسے عموماً ایک مستقل کتاب سمجھا گیا ہے۔ ان مثنویات کے علاوہ امیر خسرو کے دواوین میں سیاسی و تاریخی واقعات سے متعلق مختصر مثنویاں بھی موجود ہیں۔ نیز مدحیہ قصائد میں بھی سلاطین وقت کی فتوحات کے تذکرے ہیں، ان سے بھی تاریخی نوعیت کی

---

۳۲ شعر العجم: ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۷

اطلاعات بہم پہنچتی ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان تمام نظموں پر تنقید یا ان کا تجزیہ کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے گفتگو کے دائرہ کو صرف ان پانچ مثنویوں تک محدود رکھا ہے۔

امیر خسرو نے جن واقعات کا تذکرہ اپنی مثنویوں میں کیا ہے ان میں سے بیشتر کے وہ عینی شاہد ہیں اور جن موقعوں پر وہ خود موجود نہ تھے ان کی اطلاع کے معتبر ترین ذرائع انھیں حاصل تھے۔ وہ عموماً مرکز سلطنت میں مقیم تھے اور کارپردازانِ حکومت سے ان کے گہرے تعلقات تھے اس لیے اگر کسی مہم میں وہ بہ نفس نفیس شریک نہ ہوئے تو انھیں اس سے متعلق علم ان لوگوں کے علاوہ جو اس مہم میں شریک تھے خود مرکزی حکومت کے ارباب حل وعقد سے ہو جاتا تھا۔ مثلاً قران السعدین میں بغرا خاں اور کیقباد کی ملاقات اور دیگر متعلقہ امور کا ذکر ہے۔ امیر خسرو اس شاہی لشکر کے ساتھ تھے جو بغرا خاں کے خلاف ادھر گیا تھا۔ اس لیے تمام واقعات جو اس سلسلہ میں پیش آئے وہ ان کے عینی شاہد تھے۔ اسی طرح مفتاح الفتوح میں جلال الدین فیروز خلجی کی حکومت کے پہلے سال کی چار فتوحات کا تذکرہ ہے۔ امیر خسرو اس فوج کے ہمراہ تھے جس نے ان فتوحات میں حصہ لیا۔ عشیقہ میں شاہزادہ خضر خاں اور اس کی محبوبہ دول رانی کی داستان محبت، شاہزادہ کا عتاب شاہی میں آنا، ملک کافور کے ہاتھوں نور بصر سے محروم ہو کر گوالیار میں قید ہونا اور مبارک شاہ کے حکم سے قید حیات سے آزاد ہونا مذکور ہے۔ ان تمام حوادث میں سے خضر خاں کے دردناک انجام کے سوا سارے واقعات خسرو کے سامنے پیش آئے۔ شاہزادہ کی اسیری اور قید حیات سے آزادی کے حالات معاصر اطلاعات پر مبنی ہیں۔ نہ سپہر میں مبارک شاہ کے سپہ سالار خسرو خاں کی دکن میں ترک تازیوں اور معرکہ آرائیوں کا بیان ہے۔ دربار شاہی سے قریب تر تعلقات کی وجہ سے امیر خسرو کو ان واقعات کا علم موثق ترین ذرائع سے حاصل تھا۔ اسی طرح تغلق نامہ میں مرقوم مبارک شاہ کے قتل اور خسرو خاں کے مظالم کے امیر خسرو چشم دید گواہ تھے۔ تغلق کی پیش قدمی اور تسخیر دہلی کے واقعات انھیں اس میں حصہ لینے والے امرا سے معلوم ہوئے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ ان تمام مثنویوں میں جن تاریخی واقعات کا بیان ہے ان سے متعلق امیر خسرو کی اطلاعات نہایت مستند اور معتبر ہیں۔ اس نقطۂ اساسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان مثنویوں کا مطالعہ تاریخ ہند و پاکستان کے طالب علم کے لیے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ یہ درست ہے کہ ان مثنویوں میں کوتاہیاں بھی ہیں مگر اپنی ان کوتاہیوں کے باوجود یہ قابل وثوق دستاویز

ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض مقامات پر امیر خسرو مبالغے سے کام لیتے ہیں لیکن ہم انھیں وضع کر کے اصل واقعہ معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی بجا ہے کہ وہ بعض مقامات پر کچھ خالی جگہیں بھی چھوڑ جاتے ہیں مگر دوسرے ہم عصر مورخین کی تحریروں کی مدد سے ہم انھیں پُر کر سکتے ہیں۔ لیکن امیر خسرو نہایت راست گو اور صادق القول ہیں اور ہم بڑے اطمینان سے ان کے بیانات پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ وہ سنین و تفصیلات بیان کرتے وقت بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ان کے بیان کردہ واقعات کے سنین و شہور عموماً موثق اور معتبر ہوتے ہیں۔ ہم ذیل میں امیر خسرو کی متذکرۂ صدر پانچوں تاریخی مثنویوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

۱۔ قران السعدین (دو مبارک ستاروں کا ملاپ): یہ امیر خسرو کی پہلی تاریخی مثنوی ہے اور سلطان معز الدین کیقباد کی فرمائش پر ۶۸۸ھ میں لکھی گئی۔ اس مثنوی میں شعر و تاریخ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مدغم کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا نقطۂ اساسی سلطان معز الدین کیقباد اور اس کے باپ ناصر الدین بغرا خاں کی ملاقات ہے تاہم امیر خسرو نے دہلی کی معاصر زندگی کی نہایت دلچسپ اور لاجواب تفصیل بھی دی ہے۔[۵۲۳] اس طور سے اس مثنوی کے متعدد حصے بہت مفید اور بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً اس مثنوی میں اس وقت کی دہلی کا بڑا دلکش حال بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے شہر کی عمارتوں کا ذکر کرتے وقت اس کی مضبوط فصیل، تین حصار، مسجد جامع، مینارہ اور حوض شمسی کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ انھوں نے دہلی کے موسم سرما کا بھی نہایت لطیف انداز میں تذکرہ کیا ہے اور سردیوں کی لمبی راتوں، چھوٹے دنوں، برف باریوں اور ٹھنڈ میں اپنے کو گرم رکھنے کے مختلف طریقوں کی بڑی دلکش تصویریں پیش کی گئی ہیں۔[۵۲۴] اسی طرح منگول حملہ آوروں کی بڑی کامیاب مرقع کشی کی گئی ہے۔ اگرچہ منگول ان کے قومی دشمن تھے مگر ان کی جو تصویر الفاظ کے ذریعہ کھینچی ہے اس میں خلاف واقعہ کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تصویر عین حقیقت نگاری پر مبنی ہے۔ ان اشعار سے خسرو کی مرقع نگاری کا بھی پتہ چلتا ہے ؎

---

۵۲۳ امیر خسرو۔ قران السعدین۔ مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۱۸، ص ۲۸-۳۶

۵۲۴ ایضاً، ص ۴۸

روئے چو آتش، کلہ از پشم میش — آتش سوزاں شدہ با پشم خویش
سر بتر اشیدہ ز بہر قلم — زاں قلم انگیختہ خذلاں رقم
رخنہ شدہ طشت مس از چشم تنگ — دیدہ دراندا ختہ در رخنہ سنگ
زشت تر از زنگ شدہ بوئے شاں — پست تر از پشت شدہ روئے شاں
چہرۂ شاں دوبہ نم یافتہ — جائے بجا کلک و خم یافتہ
بینیٔ پر رخنہ چوں گورے خراب — یا چو تنورے کہ زطوفان آب
موئے زبینی شدہ برلب فراز — سبلت شاں گشتہ بغایت دراز
زرنخ شاں زمحاسن کنار — اہل زنخ را بمحاسن چہ کار[۲۵]

امیر خسرو نے قران السعدین میں اپنے عہد کی دہلی کا جو حال بیان کیا ہے اس کی کسی قدر تفصیل دینا بے موقع نہ ہوگا کیونکہ قدیم دہلی کے حالات میں یہ مثنوی قدیم تر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۔ دہلی کا نام قبۃ الاسلام تھا:

قبۂ اسلام شدہ در جہاں — بستۂ او قبۂ ہفت آسماں[۲۶]

۲۔ شہر پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے چاروں طرف باغات تھے اور اس کے قریب ہی دریائے جون (جمنا) بہتا تھا:

زاں بدل کوہ گرفتہ قرار — تا کند اقلیم حد سنگ سار
تا بدو فرسنگ بہ پیرامنش — روضۂ باغ و چمن گلشنش
تا فلک از جون بدو داد آب — دجلہ رواں برد بہ بغداد آب[۲۷]

۳۔ شہر کے تین طرف حصار تھے چوتھی سمت دریائے جمنا بہتا تھا:

---

۲۵ قران السعدین، ص ۹۳ تا ۹۸

۲۶ ایضاً، ص ۲۹

۲۷ ایضاً، ص ۳۳

از سہ حصارش دو جہاں یک مقام وز دو جہاں یک نفسش دہ سلام[۲۸]

۴۔ شہر کی اہم عمارتوں میں مسجد جامع (مسجد قبۃ الاسلام)، اس کا مینار (قطب مینار) اور حوض شمسی کا شمار تھا:

مسجد او جامع فضل الٰہ زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ[۲۹]
غلغل تسبیح بہ گنبد دروں رفتہ ز نہ گنبد والا بروں
شکل منارہ چو ستونے ز سنگ از پے سقف فلک شیشہ رنگ
ور کمر سنگ میان دو کوہ آب گہر صفوت و دریا شکوہ[۳۰]

۵۔ شہر کی متعدد نواحی بستیوں کے نام امیر خسرو کی اس مثنوی کی وجہ سے آج محفوظ ہیں ورنہ ان کا نام بھی آج کسی کو معلوم نہ ہوتا:

پائیگہ خاص بہ سیری رسید سبزۂ تر بر سر سبزی رسید
منزل اول کہ شد از شہر دور بود حد تلپت و افغان پور
میمنہ بر تلپتہ زد یکسرہ بود میان اندپتہ میسرہ
رفت بہ کلوکھری و وادعون از مدد دست چو دریائے جون[۳۱]

۶۔ شہر دہلی کے باشندے یکتائے روزگار تھے:

ہر چہ ز صنعت بہ ہمہ عالم است ہست در ایشاں و زیادت ہم است[۳۲]

۷۔ شہر میں شجر ہائے میوہ دار اور گل ہائے خوشبو کی بہتات تھی:

برگل بالا کہ دہد بوستاں بیشترے ہست ز ہندوستاں

---

[۲۸] قران السعدین، ص ۲۸

[۲۹] ایضاً ص ۳۰

[۳۰] ایضاً ص ۳۲

[۳۱] ایضاً ص ۵۲ و ۵۴

[۳۲] ایضاً ص ۷۱

آں گل ہندی کہ چین کرو راست | نے بخراساں کہ بعالم نخاست
کیوڑہ ہر برگ چو سیم سپید | عود ازو ساختہ چوں مشک بید
یک گل بیل و دو ہ دیگر درول | گل ز گل و گل ز گل آمد بروں
مولسری خرد و بزرگ از ہند | خرد و بزرگ از ہنرش بہرہ ور
طرفہ گل چنپہ بعالم کہ دید | کان زمرد کہ زو آمد پدید[۳۴]

حقیقت یہ ہے کہ مثنوی قران السعدین عہد معز الدین کیقباد کی بہت ہی مفید اور اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اس کتاب میں ایسی اطلاعات موجود ہیں جو اس عہد کی دوسری تاریخی تصانیف میں موجود نہیں ہیں۔ اس سے ہمیں عوام کی طرز زندگی، عمارات کے حالات اور ملک کے میووں اور پھولوں کے بارے میں مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس مثنوی میں جن واقعات کا بیان ہے خسرو ان کے محل وقوع سے براہِ راست وابستہ تھے اس لیے ان کی بیان کردہ تفصیلات صحیح، معتبر اور موثق ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خسرو سے غلطیاں نہیں ہوئی ہیں۔ ان سے تسامحات بھی ہوئے ہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ دربار کے حالات ایسے تھے کہ خسرو اپنی مرضی اور حقیقت حال کے خلاف بات کہنے پر مجبور تھے، تو ہمیں ان سے کسی قسم کا شکوہ نہیں رہ جاتا۔

یہاں خسرو کے تسامح کی ایک مثال بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے آخری ایام حیات میں اپنے بیٹے بغرا خاں حاکم بنگالہ کو تخت و تاج سونپنے کی غرض سے دار الحکومت میں طلب کیا، وہ لکھنوتی سے دہلی آیا۔ مگر جونہی بیمار سلطان کو ذرا افاقہ ہوا چپکے سے شکار کے بہانے دہلی سے نکل گیا اور ایلغار کرتا ہوا لکھنوتی پہنچ گیا۔ سلطان نے بیٹے سے مایوس ہو کر بستر مرگ پر اپنے بڑے بیٹے خان شہید کے لڑکے کیخسرو کو ولی عہد نامزد کیا اور امرائے سلطنت کو اس امر کی وصیت کی کہ اس کے بعد اس کے پوتے کیخسرو کو سلطان بنایا جائے۔ مگر اس کی وفات کے بعد اس کے معتمد علیہ امیر ملک فخر الدین کوتوال دہلی نے اپنے داماد ملک نظام الدین کے بدکاوے

---

[۳۴] قران السعدین - ص - ۱۰۷

میں آکر مرحوم سلطان کی وصیت کو پس پشت ڈال کر کیخسرو کے خلاف سازش کی، اسے حاکم ملتان بنا کر دہلی سے ہٹا دیا اور سلطان کے دوسرے پوتے کیقباد پسر بغرا خاں کو، جس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ تھی، مسند نشین حکومت کر دیا۔ کیخسرو کو جلد ملتان کی ولایت سے ہٹا کر قید حیات سے آزاد کر دیا گیا اور ملک نظام الدین نے کیقباد کے نام پر خود حکومت کرنی شروع کر دی۔ اس نے یہ سازش بھی کی کہ برائے نام سلطان کو راہ سے ہٹا دے اور اپنی بادشاہی کا اعلان کر دے۔ بغرا خاں کو بجا طور پر یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں سازشی اس کے بیٹے کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کریں جو اس کے بھتیجے کیخسرو کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اس لیے اس نے متعدد خطوط بھیجے اور بیٹے کو امور سلطنت سے متعلق نصیحتیں کیں کہ وہ راہِ راست پر آجائے اور سازشیوں سے ہوشیار رہے۔ مگر یہ سازشی بڑے چالاک تھے۔ انھوں نے باپ بیٹے کے تعلقات ناخوش گوار کرا دیے۔ آخر کار مجبور ہو کر بغرا خاں بنگال سے دہلی روانہ ہوا۔ اودھ میں باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی اور بعد خرابی بسیار سازشیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ملک نظام الدین باربک کے عہدے سے معزول کیا گیا اور ملک فیروز خلجی کو امور مملکت میں درخور ہوا۔[۳۴]

امیر خسرو کے تعلقات، جیسا کہ دیباچۂ غرۃ الکمال سے معلوم ہوتا ہے،[۳۵] باربک نظام الدین سے کشیدہ تھے۔ اسی لیے اس کے ابتدائے عروج میں وہ دہلی سے پٹیالی چلے گئے اور اس وقت تک دربار میں نہ آئے جب تک خود سلطان نے انھیں طلب نہ کیا۔ مثنوی قران السعدین کے جس تسامح کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں اس کا تعلق اسی واقعہ سے ہے۔ بغرا خاں اور کیقباد میں مناقشات کی ذمہ داری باربک پر عائد ہوتی تھی مگر خسرو اس کے اقتدار کی وجہ سے مجبور تھے اور اس کا ذکر برملا نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے بغرا خاں کے عزم دہلی کی دوسری

۳۴ھ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ ۱۸۶۲ء۔ ص ۱۳۵، ۱۵۶۔

امیر خسرو نے بھی ملک نظام الدین کی معزولی اور ملک فیروز خلجی کے برسر اقتدار آنے کا حال یوں بیان کیا ہے (قران السعدین، ص ۲۱۱، ۲۱۳)

محرم خلوت شدہ ہر دو بہم | زحمت غیرے زمیاں گشتہ کم + درحق این خو بکرم رہنموں | واں دگرے را بزمیں ریزخوں

دور مبیند از فلاں راز پیش | خاص مکن آں دگرے را بخویش + ہرچہ کہ ایں گفت بداں دار ہوش | جائے مدہ گفتۂ او را بگوش

۳۵ھ دیباچۂ غرۃ الکمال، ص ۲۷

توجیہہ پیش کی۔ خسرو کا بیان ہے کہ جب کیقباد کی تخت نشینی کی اطلاع بغرا خاں کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور سلطنت دہلی پر اپنا حق حکومت ثابت کرنے کے لیے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اس دعویٰ کو مزید مستحکم بنانے کی غرض سے تیاریاں شروع کر دیں ؎

رفت خبر بر شہ مشرق پناہ — ناصر دیں وارث ایں تخت گاہ

کافسر او را پسر انبازگشت — واں شرف از وے بہ پسر بازگشت

چتر بسر کرد و علم بر کشید — ساختہ کیں شد و لشکر کشید[۳۶]

جب بنگال میں حالات یوں رخ بدل رہے تھے کیقباد دہلی میں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ میدان خالی پا کر بغرا خاں نے فوج کے ساتھ پیش قدمی کی، اودھ پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ بغرا خاں نے اسی پر بس نہ کی اور دہلی پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگا ؎

گر پدرم رفت جہانباں منم — وارث اکلیل سلیمان منم

تخت پدر کز پے پائے من است — ہر ہمہ دانند کہ جائے من است

جائے خود از بخت بود رہ نمائے — تا نشستم نہ نشینم نہ پائے[۳۷]

کیقباد کو اپنے باپ کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی۔ اس نے شہر کے باہر افواج شاہی کے جمع ہونے کا حکم دیا۔ ایک لاکھ سوار اور پیادوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تو سلطان نے بغرا خاں کی پیش قدمی روکنے کے قصد سے اودھ روانہ ہونا چاہا۔ مگر اس کی روانگی وقتی طور پر ملتوی ہو گئی، کیونکہ اسی دوران یہ اطلاع ملی کہ منگول حملہ آور سلطنت دہلی کی سرحدات کے قریب آ گئے ہیں۔ اس نے باربک نظام الدین کی سرکردگی میں تیس ہزار سپاہ منگولوں سے جنگ کے لیے روانہ کی۔ منگولوں کو شکست ہوئی اور جب یہ فوج واپس آ گئی تو سلطان نے اودھ کا سفر دوبارہ شروع کیا۔ بغرا خاں کو افواج سلطانی کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بہت برہم ہوا۔ اس کے بعد فریقین میں طویل خط و کتابت ہوئی۔ بغرا خاں نے اپنا حق تقدم یوں پیش کیا ؎

۳۶؎ قران السعدین، ص ۳۵ و ۳۶

۳۷؎ ایضاً ص ۴۶-۴۸

از پدرم کے رسد این فن بتو　　از پدر من، بمن، از من، بتو[۳۸]

اس کے جواب میں کیقباد نے نہایت پُر وقار انداز میں کہلا بھیجا:

ملک بمیراث نیابد کسے　　تا نزند تیغ دو دستی بسے[۳۹]

آخر میں بغرا خاں کو بیٹے کے آگے جھکنا پڑا اور اس کے نتیجے میں دونوں میں صلح صفائی اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔[۴۰]

امیر خسرو کے برعکس برنی نے بغرا خاں کے طرز عمل کی مختلف توجیہہ پیش کی ہے۔ اس نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ بغرا خاں کی پیش قدمی حصول اقتدار کی خاطر تھی اور اس کا ارادہ کیقباد کو معزول کر کے خود تخت نشین ہونا تھا۔ برنی کا بیان ہے کہ جب بغرا خاں کو کیقباد کے دربار کے صحیح حالات کا علم ہوا اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ نظام الدین حکومت پر قبضے کے منصوبے بنا رہا ہے تو اس نے بیٹے کو متعدد نصیحت آمیز خطوط تحریر کیے تاکہ دربار سے ان برائیوں کا خاتمہ ہو جائے جو سلطان اور سلطنت کے زوال کا پیش خیمہ تھیں مگر ان نصائح کا کوئی اثر نہ ہوا۔ مجبوراً بغرا خاں نے بہ نفس نفیس دار الحکومت کا قصد کیا تاکہ وہ بالمشافہ بیٹے کو امور ملکی سے متعلق مشورے دے اور خود غرض امراء کے اثر سے اسے آزاد کرائے۔[۴۱]

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بغرا خاں پر امیر خسرو نے طمع حکومت اور حصول اقتدار کے الزامات عائد کیے ہیں جب کہ برنی کے بیان کے مطابق وہ ایک بے گناہ باپ ہے جو اپنے بیٹے کیقباد کی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے سخت متوحش تھا اور جسے اپنے بیٹے کی حفاظت و نیز برصغیر میں ترکوں کی سلطنت کے بقاء اور تسلسل کی فکر دامن گیر تھی۔ کیقباد کے دل میں شک و شبہ پیدا کرنے کا الزام برنی نے خود غرض وزیر نظام الدین پر عائد کیا ہے۔ مگر

---

[۳۸] قران السعدین، ص ۱۱۴ و ۱۱۵

[۳۹] ایضاً ص ۱۱۸

[۴۰] ایضاً، ص ۱۴۴-۱۵۲

[۴۱] الیٹ اینڈ ڈاسن۔ ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹورینس۔ ج ۳ طبع ۱۸۷۷ء ص ۱۲۹-۱۳۳

امیر خسرو نے حالات سے مجبور ہونے کی وجہ سے اس کا نام بھی نہیں لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب قران السعدین لکھی جا رہی ہے تو نظام الدین کا اثر ختم نہ ہوا تھا اور اس کا تذکرہ اس ضمن میں خالی از خطر نہ تھا۔ اسی لیے اس لشکر کشی کی ایک دوسری توجیہہ امیر خسرو کو کرنی پڑی اور وہ بغرا خاں کی ہوس اقتدار ہی ہو سکتی تھی۔ لیکن جب ہم بغرا خاں کی زندگی کے ابتدائی واقعہ پر نظر ڈالتے ہیں کہ اس نے بلبن کی درخواست کے باوجود سلطان دہلی بننا قبول نہ کیا اور باپ کو بستر علالت پر چھوڑ کر بنگالہ چل دیا، تو امیر خسرو کے موقلم سے بنی ہوئی تصویر بغرا خاں کے بجائے کسی اور بادشاہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس برنی کا بیان درست اور امر واقعہ پر مبنی نظر آتا ہے۔ لیکن امیر خسرو نے ایسا کسی بری نیت سے نہیں کیا اور نہ ہی ان کا مقصد بغرا خاں کو متہم کرنا تھا۔ ان کو ان مشکلات سے دوچار ہونا پڑا جو ایک معاصر مؤرخ کو پیش آتی ہیں اور جن کے مقابلے میں غیر معاصر مؤرخ کو نسبتاً زیادہ آزادی اور آسانی ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ مثنوی قران السعدین سلطان کیقباد کے عہد کے موثق ترین اور نہایت اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی تاریخی قدر و قیمت کے بارے میں پروفیسر کاول بجا طور پر کہتا ہے:

"یہ مثنوی طرز ادا اور انداز بیان کے لحاظ سے مبالغہ اور تشبیہ و استعارہ سے مملو ہے مگر اس میں تاریخی واقعات عموماً صحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زبانوں میں شاید ہی ایسی چند مثنویاں لکھی گئی ہوں جو اس مثنوی سے زیادہ اصلی واقعات پر مشتمل ہوں اور جب امیر خسرو کے بیان کا فرشتہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اصولی اور اہم نقاط پر ایک دوسرے سے بالکل متفق ہیں۔"[۵۴۲]

۲۔ مفتاح الفتوح (فتوحات کی کنجی): یہ امیر خسرو کی دوسری تاریخی مثنوی ہے۔ اور جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ مثنوی نسبتاً مختصر ہے اور امیر خسرو کے تیسرے دیوان غرۃ الکمال میں شامل ہے۔ اس میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی کی چار فتوحات کا بیان ہے جو سلطان کو ایک سال میں حاصل ہوئیں۔ یہ چار کامیابیاں سلطان جلال الدین خلجی کو سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو گورنر کڑہ، منگولی حملہ آوروں، رنتھنبور اور جھائین کے راجہ اور اودھ کے ہندو رئیسوں کے خلاف

---

۵۴۲ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ ۱۸۶۰ء۔

ہوئی تھیں۔ اگرچہ مفتاح الفتوح ایک سادہ بیانیہ نظم ہے مگر اس کے وہ حصے جن میں جزوی باتوں کی تفصیل دی گئی ہے اپنی سادگی کے باوجود پُرکار، خوب صورت اور دلچسپ ہیں۔ مثلاً جب سلطان فتوحات کے بعد دہلی لوٹتا ہے تو اس کے استقبال کی منظر کشی امیر خسرو نے نہایت چابکدستی کے ساتھ کی ہے۔ اس سے اس عہد کے معاشرتی حالات اور تہذیبی روایات کا بھی حال معلوم ہوتا ہے[۵۴۳]۔ امیر خسرو نے ان چاروں فتوحات کے حالات نہایت صحت کے ساتھ سپرد قلم کیے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں ان کا متخیلہ سچ میں جھوٹ کی آمیزش سے ابا کرتا ہے۔

۳۔ عشیقہ (یا خضر خاں و دول رانی): یہ امیر خسرو کی تیسری تاریخی مثنوی ہے اور حسن و عشق و تاریخ کے حسین ترین امتزاج کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس مثنوی کا نقطہ اساسی خضر خاں اور دول رانی کی شدید محبت اور دونوں کا المناک انجام ہے۔ یہ مثنوی خود شاہزادہ خضر خاں کی فرمائش پر لکھی گئی اور ۷۱۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ بعد میں سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے عہد میں امیر خسرو نے اس میں (۳۱۹) اشعار شامل کر کے ایک باب کا اضافہ کر دیا اور اس طرح سے یہ داستان مکمل ہو گئی جو نہ صرف حسن و عشق کا المیہ ہے بلکہ سلطنت دہلی کے عروج و زوال کی بھی عبرت ناک روداد ہے۔ ان اضافی اشعار میں سلطان علاء الدین محمد خلجی کی علالت، ولی عہد سلطنت سے اس کی بدظنی، خضر خاں کی قلعۂ گوالیار میں اسیری، ملک کافور کا ظلم سے خضر خاں کو اندھا کر دینا، مبارک شاہ کا یہ ذلیل ترین مطالبہ کہ دول رانی اس کے حوالے کر دی جائے اور آخر میں شاہزادہ خضر خاں اور اس کے دو چھوٹے بھائیوں فرید خاں و شادی خاں کا مبارک شاہ کے حکم سے قتل کر دیا جانا مذکور ہے۔ ان اشعار سے اس مثنوی کی قدر و قیمت تاریخی حیثیت سے بہت زیادہ ہو گئی اور خاندان خلجی کے عہد زوال کی افسوس ناک مگر دلچسپ تاریخ مرتب ہو گئی۔

امیر خسرو نے مثنوی کے آغاز میں برصغیر ہند و پاکستان اور اس پر اسلامی حملوں اور مسلمانوں کی حکومت کے قیام کا ذکر کیا ہے۔ گو یہ بیان مختصر ہے لیکن سلطان علاء الدین محمد خلجی سے قبل جن سلاطین نے دہلی پر حکومت کی ان کا حیرت انگیز حد تک بعینہٖ اور ہوبہو مرقع پیش کیا گیا ہے۔ یہاں

---

[۵۴۳] ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹورینس، ج ۳، ص ۵۴۲-۵۴۳

ان قلمی مرقعوں کا اجمالی جائزہ لینا نامناسب نہ ہوگا:

۱۔ سلطان معز الدین محمد بن سام کا بیان ملاحظہ ہو ؎

چنیں گوید خبر دانندہ حالی کزیں میموں خبر میموں شد فال
کہ از غزنیں چو بیرون کرد صمصام معز الدین محمد، گوہر سام
ازاں سلطان غازی بے مدادا بہ ہندستاں شد اسلام آشکارا
سریر دہلی از وے یافت بنیاد کہ بنیاد سریرش تا ابد باد[۴۴]

۲۔ سلطان قطب الدین ایبک کا ذکر یوں کیا ہے ؎

ہر آنچہ شاہ غازی کرد بنیاد ز قطب الدین سلطانی شد آباد
زہے بندہ کہ از یک حکم مخدوم ہمایوں کرد زاسلام ایں کہن بوم[۴۵]

۳۔ سلطان شمس الدین التمش کا بیان یوں ہے ؎

کف تیغش چناں شد آسماں گیر کہ ہم چوں صبح دو میں شد جہانگیر
ز حد مالوہ تا عرصۂ سند نمودار غزائے اوست در ہند[۴۶]

۴۔ سلطانہ رضیہ کا تذکرہ ملاحظہ ہو ؎

ازاں پس چو پسر کم بود شایاں بدختر گشت رائے نیک رایاں
رضیہ دختر مرضیہ سیرت سریر آراست از جائے سریرت
مہی چند آفتابش بود در میغ چوں برق از پردہ می زد پرتو تیغ
چو تیغ اندر نیام از کار می ماند فراواں فتنہ بے آزار می ماند
پرید از صدمۂ شاہی نقابش ز پردہ روئے بنمود آفتابش
سہ سالے کش قوی بد تختہ پشت کسی بر حرف او ننہاد انگشت

ھ۴۴ امیر خسرو - مثنوی خضر خاں و دول رانی - نسخہ قلمی ۱۰۲۵ھ - کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی ، ص ۴۸

ھ۴۵ ایضاً ص ۴۹

ھ۴۶ ایضاً

چہارم چو زکار او ورق گشت | بروہم خانۂ تقدیر بگزشت[۵۴۷]

۵۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا بیان دیکھیے ۔

زبہر عون مظلومان دل تنگ | غیاث الدین و دنیا شد براورنگ
درایامش مغل رہ یافت ایں سو | بتاراج و تطاول گشت رہ جو
بکیں می آمدند افروختہ چہر | زتیہ می یافتند افروزشش مہر
کہ آں مدخل زیاں بود ست کہ سود | گزشت آں روزگار و بود بے بود
شد آں خورشید روشن نیز مستور | بہ برج خاک رفت از بیت معمور[۵۴۸]

سلاطین ماسبق کے تذکرے کے بعد امیر خسرو نے علاء الدین خلجی کے دور حکومت کے امن و امان، خوش حالی اور برصغیر میں اتحاد مذہبی کا ذکر کیا ہے۔ مگر انھوں نے صرف مدح سلطان ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ سلطان کو ظلم، بے انصافی اور شراب نوشی پر بھی متنبہ کیا ہے۔ پھر داستان مثنوی کا آغاز سلطان کی تسخیر دکن کے تذکرہ سے کیا ہے۔ نہروالہ گجرات کے راجہ کرن دیو کے خلاف شاہی مہم، راجہ کرن دیو کی شکست اور رانی کنول دیوی کی اسیری اور علاء الدین سے اس کے بیاہ کا حال بیان کرنے کے بعد رانی کنول دیوی کی اپنی بیٹی دول رانی کی جدائی میں بے قراری کا ذکر کیا ہے۔ پھر دول رانی کے محل سلطانی میں لائے جانے اور اس کے بعد کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ اس مثنوی میں بھی امیر خسرو حسب عادت تاریخی واقعات اور عام واقعہ نگاری کے ضمن میں برصغیر ہندو پاکستان کے پھلوں، مصالحوں اور خوشبوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے سلطنت دہلی میں شریعت اسلامی کی حیثیت کا بھی ذکر کیا ہے ۔

خوشا ہندوستاں در رونق دیں | شریعت را کمال عز و تمکیں
زعلم باعمل دلی بخارا | زشاہاں گشت اسلام آشکارا[۵۴۹]

---

۵۴۷ امیر خسرو۔ مثنوی خضر خاں و دول رانی۔ نسخہ قلمی ۲۵-۱ھ۔ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی ص ۴۹، ۵۰

۵۴۸ مثنوی خضر خاں و دول رانی (نسخہ قلمی) ص ۵۱

۵۴۹ ایضاً ص ۴۷

اسی طرح مسلمانوں میں اتحاد مذہبی کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں ؎

مسلمانان نعمانی روش خاص ۔۔۔ ز دل ہر چار آئین را بہ اخلاص

نہ کین با شافعی نے مہر با زید ۔۔۔ جماعت را و سنت را بجان صید[۵۰]

۴۔ نہ سپہر (نو آسمان): اس مثنوی کا دوسرا نام 'سلطان نامہ' بھی ہے۔ یہ امیر خسرو کی چوتھی تاریخی مثنوی ہے اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے حکم سے جمادی الاولیٰ ۷۱۸ھ میں نظم کی گئی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ مثنوی نو حصوں میں منقسم ہے۔ ان نو ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے:

سپہر اول میں امیر خسرو نے قطب الدین مبارک شاہ کے تخت نشین ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تخت نشینی روز یک شنبہ، ۲۴ محرم الحرام ۷۱۶ھ کو انجام پائی۔ بعد ازاں انھوں نے سلطان کے دیوگیری پر پیش قدمی کرنے اور راؤ رام دیو کے گستاخ وزیر راگھو کو سزا دینے کا حال تحریر کیا ہے۔ یہاں اس امر کا ذکر بے موقع نہ ہو گا کہ تخت نشین ہوتے ہی مبارک شاہ نے خلیفۃ رب العالمین، امیر المومنین، الواثق کے القاب اختیار کیے۔ حالانکہ ان عظیم القاب کے اختیار کرنے کی علاء الدین جیسے اولوالعزم سلطان کو بھی جرأت نہ ہوئی[۵۱] امیر خسرو نے اسی لیے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو خلیفہ کہہ کر مندرجہ ذیل اشعار میں مخاطب کیا ہے ؎

خلیفہ بگردون سر افراختہ ۔۔۔ لوائے خلافت بر افراختہ

خلیفہ چو زد دولت آنجا رسید ۔۔۔ خبر سوئے رایان دولار سید[۵۲]

اسی طرح جب امیر خسرو نے 'دہلی' کا ذکر کیا ہے تو اسے دار الخلافہ کہا ہے ؎

چو صاحب خلافت شد از عدل و رافت ۔۔۔ نہادش لقب حضرت دار الخلافہ[۵۳]

---

۵۰ مثنوی خضر خاں و دول رانی (نسخہ قلمی) ص ۴۷ و ۴۸

۵۱ امیر خسرو - مثنوی نہ سپہر - آکسفورڈ یونیورسٹی پریس - ۱۹۵۰ - ص ۲۴

۵۲ ایضاً ص ۲۳

۵۳ ایضاً ص ۲۷

مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خسرو دل سے اس خیال کے ہم نوا نہیں ہیں کہ 'دلی' کو دار الخلافت کہا جائے اور بغداد کو نظر انداز کر دیا جائے ؎

مگر گفت بغداد باہر کہ باید   کہ دار الخلافت بدلی نہ شاید[۵۴]

اس سپہر میں شیخ نظام الدین اولیاء کی منقبت میں بھی اشعار ہیں۔ مگر یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مبارک شاہ شیخ کا مخالف تھا اور اس نے شیخ کے مقابلہ میں شیخ صدر الدین ملتانی اور چند دیگر مشائخ کو دہلی میں بلوایا تاکہ شیخ کے خلاف محاذ قائم کر کے عوام کی نگاہ میں ان کے وقار کو کم کر دے[۵۵] اس لیے امیر خسرو قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے سلطان وقت کی مخالفت کے باوجود شیخ کے دامن ارادت کو نہ چھوڑا اور دونوں ہی سے اچھے تعلقات رکھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کے اظہار میں کسی حد تک بے لاگ اور بے باک تھے، اور اس سلسلہ میں سلطان کی ناراضگی کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔

دوسرے سپہر کا آغاز مبارک شاہ کے نو تعمیر محل اور وسیع مسجد جامع کے پر شکوہ بیان سے ہوتا ہے ؎

بفرمود کا دل بر آرند جامع   کہ بامش بر آید بخورشید لامع

کہ اول ز مسجد بنا را اقامت   ثباتے دہد ملک را تا قیامت

پس آرم صفت قصر گیتی نما را   بدانساں کہ دیباچہ گردد سما را[۵۶]

اس کے بعد امیر خسرو نے تلنگانہ اور درنگل کے راجاؤں کے خلاف شاہی حملوں کی تفصیل دی ہے اور مبارک شاہ کے ہم رکاب خسرو خاں کے فتح مندی کے ساتھ دار الحکومت کی جانب مراجعت کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا سپہر تمام سپہروں سے زیادہ دلچسپ اور معلومات آفریں ہے۔ اس میں خصوصیت

---

۵۴ مثنوی نہ سپہر، ص ۷۷

۵۵ برنی۔ تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۹۴

۵۶ ایضاً ص ۷۵

کے ساتھ برصغیر کے موسمی اور طبعی حالات سے بحث کی گئی ہے اور انھوں نے اس میں ملک کی آب وہوا پھولوں، پرندوں اور دوسرے جانوروں، اہل ہند کے فلسفہ، مذاہب، عقائد اور زبانوں کے متعلق بہت سی مفید معلومات جمع کر دی ہیں۔ انھوں نے اس ملک کی زبانوں کے بارے میں دلچسپ باتیں لکھی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق "برصغیر کے ہر صوبہ کا مخصوص لہجہ اور الگ زبان ہے۔ مثلاً سندھی، لاہوری، کشمیری، دھور سمندری، تلنگی، گجری، معبری، گوری، بنگالی اور اودھی زبانوں کا ملک میں چلن ہے۔ مگر دہلی اور اس کے گرد ونواح میں وہی ہندوی زبان بولی جاتی ہے جو زمانۂ قدیم سے یہاں رائج ہے اور ہر قسم کے لہجوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ سنسکرت کو صرف برہمن ہی استعمال کرتے ہیں اور اس زبان سے عوام وخواص کی کثیر تعداد نابلد ہے۔" اس کے علاوہ امیر خسرو نے جانوروں کے بارے میں بعض بڑے دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں جن سے ان کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے جادو ٹونے کا بھی ذکر کیا ہے کہ ملک میں اس کا بڑا چلن تھا اور اس کی متعدد مثالیں بھی پیش کی ہیں۔[۵۷]

ہمارے مورخین کے بارے میں ایک عام شکایت یہ کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ لکھتے وقت عوام کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کو اہمیت نہیں دیتے مگر اس کلیہ سے امیر خسرو مستثنیٰ ہیں اور انھوں نے ان مخصوص نقاط پر بہت سی قابل قدر معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ بہر کیف اس سپہر کا اختتام رائے ہر پال کی اسیری اور شکست کی تفصیل پر ہوتا ہے۔[۵۸]

چوتھا سپہر عقل وحکمت کی باتوں سے پُر ہے۔ یہ مبارک شاہ، ولی عہد سلطنت، امراء، سپاہ اور عوام الناس کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ اس میں امیر خسرو نے معاشرہ کے مختلف طبقات کے فرائض بیان کیے ہیں۔ اس سپہر سے سیاست، حکومت اور اخلاقیات کے مختلف نظریات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔[۵۹] اگرچہ مبارک شاہ نے مذہب اسلام کے مقدس ترین اصول کی علی الاعلان

---

۵۷ مثنوی نہ سپہر۔ ص ۱۴۴ - ۲۰۱

۵۸ ایضاً ص ۲۰۲ - ۲۱۰

۵۹ ایضاً ص ۲۱۱ تا ۲۲۸

خلاف ورزی شروع کر دی تھی اور حفاظت شریعت سے احتراز کرنے لگا تھا مگر اعلائے کلمۂ حق اور سچ بات کہنی دینی فریضہ ہے۔ اس لیے خسرو نے اسے ان الفاظ میں اتباعِ شریعت کا مشورہ دیا ہے:

روی بفرمان خدا آوری تات کند عونِ خدا یاوری
مملکت از دین شود آراستہ کار جہاں زین شود آراستہ[۶۰]

بعد ازاں امیر خسرو عادل اور منصف انتظامِ سلطنت کے پانچ اصول کی نشاندہی کرتے ہیں:

پنج بنا شرط جہاں داریست آید از دکش ز خدا یاریست
اولش آنست کہ در کارِ تخت رائے بود محکم و تدبیر سخت
کار گزاران شہ کامگار باز نمایند سر انجام کار
دومش آنست کہ عزم و سکون بر محل افتد ز درون و برون
سیومش آنست کہ در حزم خویش دور کند پردۂ غفلت ز پیش
چارمش آں شد کہ بہ انصاف و داد تازہ کند گلشن دیں را سواد
تا کہ ہمہ ز اہل خراش و خروش نشنود آواز تظلم بگوش
پنجمش آں شد کہ نماید مدام جہد در آسودگی خاص و عام
بر ہمہ دارد بہ بیابان و کاخ جا خوش و رہ ایمن و نعمت فراخ[۶۱]

پانچواں سپہر برصغیر ہند و پاکستان کے موسم سرما کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں انھوں نے اس کے اعتدال اور لطف کا موازنہ خراسان کے موسم سرما کی شدت اور زحمت سے کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے قدرے تفصیل سے مبارک شاہ کے ایک شکار کا حال بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف جانوروں، درندوں، اور پرندوں کا ذکر کرتے ہیں جو سلطان کے تیر و کمان یا اس کے سدھائے ہوئے بازوں، شکروں اور کتوں سے شکار ہوئے۔ بعد ازاں اس سپہر کا ایک خاصا طویل حصہ مختلف قسم کے تیر و کمان کے ذکر پر مشتمل ہے جو اس زمانہ میں برصغیر ہند و پاکستان

۶۰۔ مثنوی نہ سپہر۔ ص ۲۲۷-۲۲۸

۶۱۔ ایضاً ص ۲۲۸، ۲۲۹

میں مستعمل تھے۔[561]

چھٹا اور ساتواں سپہر مبارک شاہ کے بیٹے شاہزادہ محمد کی ولادت کے حالات پر مشتمل ہے اس میں اس دعوت و جشن کا حال بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں برپا ہوئے اگرچہ بادی النظر میں یہ دونوں سپہر بہت کم تاریخی اہمیت کے حامل ہیں مگر ان میں ہندوستانی رقاصاؤں کی بڑی دل آویز تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سے اس عہد کی معاشرت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے[562]

آخری دو سپہروں میں سلطان کے چوگان کھیلنے کا ذکر ہے اور فن شعر کی فضیلت و شرافت کا بیان ہے اور یوں یہ دونوں سپہر تاریخی اہمیت کے حامل نہیں ہیں[563]

مختصر یہ کہ نہ سپہر مبارک شاہ کے عہد کی معاصر تاریخ ہونے کی وجہ سے بڑی اہم کتاب ہے۔ مبارک شاہ کا عہد حکومت مختصر تھا اس لیے اس کے گرد عظمت و شوکت کا ہالہ بنانے کے لیے بہت کم مواد موجود تھا۔ مگر امیر خسرو نے جو کچھ بیان کیا ہے بڑی ایمانداری اور احتیاط سے بیان کیا ہے اور اس میں ایسی جزوی تفصیلات آگئی ہیں جو عام کتب تاریخ میں نظر نہیں آتیں چونکہ واقعات کے راوی اول کی حیثیت خسرو کو حاصل تھی اس لیے بجا طور پر یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ عہد مبارک شاہی کے دور عروج کی معتبر ترین اور مستند ترین دستاویز نہ سپہر ہے۔ اس کے عہد زوال کے واقعات۔ اس کا قتل کیا جانا اور خاندان علائی کا خاتمہ۔ امیر خسرو کی دو دوسری مثنویوں عشیقہ اور تغلق نامہ میں مذکور ہیں۔

۵۔ تغلق نامہ (عہد غیاث الدین تغلق کی تاریخ): یہ امیر خسرو کی آخری مثنوی ہے، اور ۷۲۵ھ میں خسرو کے ۱۸ شوال ۷۲۵ھ میں انتقال سے کچھ پہلے مکمل ہوئی[565]۔ اس مثنوی میں

---

۵۶۲ مثنوی نہ سپہر۔ ص ۲۶۸ تا ۳۱۸

۵۶۳ ایضاً ص ۳۱۹ تا ۳۶۴

۵۶۴ ایضاً ص ۳۶۵ تا ۴۴۷

۵۶۵ امیر خسرو۔ تغلق نامہ۔ سلسلہ مخطوطات فارسی اورنگ آباد دکن ۱۹۳۳ - ص ۳۲

خسرو خاں کے عروج، مبارک شاہ کے قتل، خسرو خاں کی حکومت، خاندان علائی کے خاتمے، غازی ملک تغلق کے دہلی پر حملے، خسرو خاں کی شکست اور اس کی گرفتاری، اس کے قتل اور تغلق شاہ کی تخت نشینی کے حالات نہایت صحت کے ساتھ قلم بند کیے گئے ہیں۔ امیر خسرو کی دی ہوئی تفصیلات برنی اور ابن بطوطہ کے بیانات سے زیادہ مکمل اور باوثوق ہیں۔ مثلاً برنی نے خسرو خاں کی مدت حکومت کو تین یا چار ماہ لکھا ہے مگر امیر خسرو نے تغلق نامہ میں لکھا ہے کہ خسرو خاں نے صرف دو ماہ حکومت کی۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ مبارک شاہ ماہ جمادی الاخریٰ ۷۲۰ھ کی چاند رات کو قتل کیا گیا ؎

جو تاریخ عرب شد ہفصد و بست حیات قطب کم شد جانب زیست
جمادی دومیں را شد پدیدار ہلال تیرہ و تاریک دیدار
شد آں مہ برہمہ گیہاں مبارک مگر برطالع سلطان مبارک[۶۶]

خسرو خاں کو شکست دے کر غازی ملک تغلق بروز ہفتہ یکم شعبان ۷۲۰ھ کو تخت نشین ہوا ؎

چو صبح غرۂ شعبان فرخ نمود از تخت گاہ آسماں رخ
رواں شد نرم نرم آں بادشاہ گلرنگ بدار الملک شاہی کردہ آہنگ
مبارک روز شنبہ گاہ پیشیں کہ ہنگامیست بالانوار بیش ایں[۶۷]

اس طور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خسرو خاں نے صرف دو ماہ (جمادی الاخریٰ اور رجب ۷۲۰ھ) حکومت کی، نہ کہ چار ماہ جیسا کہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح برنی نے یہ بیان کیا ہے کہ خسرو خاں ذات کا 'پردار' تھا۔ پردار گجراتی ہندوؤں کی نہایت ادنیٰ ذات ہے اور آج بھی اس کا پیشہ گدا گری ہے۔ مگر امیر خسرو نے غاصب خسرو خاں کو 'براؤ' کہا ہے جو گجرات ہی کے ہندوؤں کا ایک دوسرا قبیلہ ہے اور 'پردار' سے اونچا خیال کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی 'براؤ' موجود ہیں اور عموماً دربانی کی خدمات انجام دیتے ہیں[۶۸]

---

۶۶ امیر خسرو۔ تغلق نامہ۔ سلسلۂ مخطوطات فارسی اورنگ آباد دکن ۱۹۳۳ء۔ ص ۱۹

۶۷ ایضاً ص ۱۳۵

۶۸ ابوظفر ندوی۔ تاریخ گجرات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۸ء۔ ص ۳۴۵

دلی می شد زہندوے براؤ کماۓ من ینابیع دماغ[۶۹]

امیر خسرو نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ 'براؤ' ایک بہادر اور سپاہی نسل تھی۔ راجے مہاراجے انھیں اپنی فوجوں کے آگے رکھتے تھے کیونکہ یہ لوگ جان نثار ہوتے تھے اور اپنے آقاؤں پر جان تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے ؎

'براؤ' وصف ہندولیست سربانے کہ ہم سر باز باشد ہم سر انداز
بود ایں طائفہ در پیش رایاں کہ جاں بازند بر فرماں روایاں[۷۰]

خسرو نے ایک دوسرے موقع پر 'براؤ' کی مرقع کشی یوں کی ہے ؎

'براؤ' ہر یکے بر پشت تیزے چو دود آتش اندر گرم خیزے
سر و سبلت بروہاۓ چو انگشت چو خط زشت بر دیگر خط زشت
زنقد برہمہ ابریشمیں پوش حریر دہرمان افگندہ بر دوش
بعطر آلودہ ہیکلہاۓ گندہ عبیر و مشک در گلخن فگندہ
بداں گبراں مرتد، مرتد گول زبہر جاں سپاری دادہ تنبول
بجاں دادن سیہ دنداں از برگ بلے دنداں سیہ گردد بگہ مرگ[۷۱]

یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ امیر خسرو سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی کو 'شاہ شہیداں' کہتے ہیں۔ چنانچہ تغلق شاہ کی زبان سے امیر خسرو اس کا اظہار یوں کرتے ہیں ؎

مرا شاہ شہیداں کارداں مرد بمردی از پیٔ ایں روز پرورد[۷۲]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو کو اس بات کا یقین تھا کہ علاء الدین کو ملک کافور نے مار ڈالا تھا۔ مگر تاریخی شواہد سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے یہ بات

۶۹ھ مثنوی تغلق نامہ - ص ۱۲۸

۷۰ھ ایضاً ص ۱۹

۷۱ھ ایضاً ۹۳ و ۹۴

۷۲ھ ایضاً ۳۷

معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص کے طبقے کو بھی اس امر کا یقین تھا کہ سلطان کی موت محلاتی سازشوں کی وجہ سے ہوئی اور اس میں ملک کافور کا ہاتھ تھا۔

تغلق نامہ کی تاریخی اہمیت سے انکار کرنا محال ہے۔ خسرو نے اس داستان کو اپنی روایتی صفائی اور بے مثال صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انھوں نے سلطنت دہلی کی تاریخ کے ایک ایسے دور کی عکاسی کی ہے جو المناک بھی ہے، دلچسپ بھی اور حیرت انگیز بھی۔ یہ کتاب مبارک شاہ کے عہد کے آخری سال اور تغلق شاہ کے ابتدائی دور کی نہایت مستند تاریخ ہے اور تاریخ کے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کرتی ہے جو دوسرے ماخذات سے منصۂ شہود پر نہیں آتے۔

امیر خسرو کے تاریخ پارے سن تصنیف کے لحاظ سے ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) سے ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سلطان معز الدین کیقباد سے لے کر سلطان غیاث الدین تغلق تک کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تاریخ پارے کسی عام تاریخی کتاب کے غیر منفک اجزا نہیں ہیں بلکہ ایسے واقعات کا مجموعہ ہیں جنھیں ان کے وقوعے کے بعد مختلف حالات و اسباب کی وجہ سے حیطۂ تحریر میں لایا گیا۔ امیر خسرو نے ان مثنویوں کو اس لیے نہیں لکھا کہ انھیں کسی قسم کی عملی یا اخلاقی یا بندی یا علمی مقاصد کی تکمیل منظور تھی۔ بلکہ انھوں نے یہ مثنویاں اپنے ذوق جمالیات کی تسکین اور اپنے ممدوحین کے جذبۂ انا کی تسلی کی غرض سے لکھیں۔ ان کی تاریخی مثنویوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اگر اس کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو اس سے امیر خسرو کے اس اہم کردار کا پتہ چلتا ہے جو انھوں نے برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمانوں کے ثقافتی اتحاد اور قومی امتیاز کے قیام و بقا کے سلسلہ میں ادا کیا اور یوں اس خطہ میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی نشو و نما اور فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔

پایان سخن میں یہ دعویٰ کرنا بے محل نہیں کہ امیر خسرو کی مثنویاں ٹھوس علمی کام ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان میں مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے مگر اس کی کیفیت و کمیت کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خسرو واقعات کو بڑی صداقت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور چونکہ وہ سچ میں جھوٹ کی آمیزش کو پسند نہیں کرتے اس لیے تاریخ سلطنت دہلی کے طالب علم ان کی تصانیف پر بڑے اطمینان

کے ساتھ اعتماد کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں چند ہی ایسی مثنویاں ہوں گی جن میں امیر خسرو کی مثنویوں کی طرح حقیقت نفس الامری اور واقعات کی صحت و صداقت پر اتنی شدت کے ساتھ توجہ دی گئی ہو۔ یہ درست ہے کہ امیر خسرو مورخ سے زیادہ شاعر ہیں مگر جب ان جیسا عظیم شاعر ایک ثقہ راوی کی حیثیت سے واقعات نظم کرتا ہے تو تاریخ عظیم ادب پارہ اور ثقہ ترین ماخذ کے خصوصیات کی جامع ہو جاتی ہے جس میں واقعاتی بیان کے ساتھ ساتھ جمالیاتی جاذبیت بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے خسرو کے تاریخی جواہر پارے اپنے جلو میں وہ کشش بھی رکھتے ہیں جو سرہندی یا برنی کے خشک بیانوں میں نظر نہیں آتی خسرو کی تاریخی مثنویاں آیات جمال بھی ہیں اور سلطنت دہلی کے مرقعہائے عروج و زوال بھی، اور یہ حسن خسرو کے تاریخ پاروں کو اس لیے نہیں ملا کہ وہ منظوم داستانیں ہیں کیونکہ منظوم تاریخ تو عصامی کی فتوح السلاطین بھی ہے مگر اس میں جمالیات کا فقدان ہے، وجہ ظاہر ہے۔ عصامی خسرو جیسے فن کار نہیں اور نہ ہی خسرو جیسے انسان ہیں۔ خسرو کے تاریخی منظومات کی عظمت جہاں ان کی صداقت میں ہے، ان کی صناعی میں ہے وہیں ان کی عظیم انسان دوستی میں بھی ہے۔

اسلام اور رواداری

(از مولانا رئیس احمد جعفری)

قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کا دامن غیر مسلموں کے لیے کس درجہ عطا بار اور خطا پوش ہے۔

جلد اول صفحات ۴۳۳ ۲۵ / ۷ روپے

جلد دوم صفحات ۴۷۴ ۵۰ / ۷ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور